اور عمر فاروق ہاشمیوں کو خلافت اور اس کے عہدوں سے کچھ اس مصلحت کے ماتحت دور رکھتے کہ عہدے پاکر وہ کوئی بغاوت نہ کر بیٹھیں اور کچھ ان کے عدم تعاون اور نکتہ چینی کی سزا دینے اور ان کی بڑھی ہوئی رعونت کو نیچا دکھانے کے لئے سرکاری مناصب کے اعزاز سے محروم رکھتے تھے۔ عمر فاروق کے ساڑھے دس سالہ دور حکومت کی ضخیم تاریخ میں کسی ہاشمی سپہ سالار، کمانڈر، گورنر، محصل زکات، سفیر، امام یا معلم کا نام ہمیں نہیں ملا۔ دیوان العطاء کی مالی برکتوں کے علاوہ فاروقی دور میں اس طبقہ کی اقتصادی توانائی کے وہی ذرائع تھے جن کا عہد صدیقی میں ذکر ہو چکا ہے۔ غنیمت کے سہام، زراعتی فارم، نخلستان، تجارت، مضاربت، مکاتبت خمس خیبر سے کھجور اور غلہ کے سالانہ حصے جو رسول اللہ مقرر کر گئے تھے اور جن سے معقول یافت تھی۔

(۴) غیر ہاشمی قریش

عمر فاروق کا نظریہ تھا کہ چونکہ رسول اللہ قریشی تھے اس لئے ان کا جانشین بھی قریشی ہونا چاہیئے نیز یہ کہ قبیلہ قریش میں حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی ساری عرب قوم سے زیادہ صلاحیت ہے۔ اس نظریہ کے ماتحت انھوں نے انصار کا مطالبہ خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں شد و مد کے ساتھ مسترد کر دیا تھا اور اس خوف سے کہ کہیں انصار خلافت کی خواہش پروان چڑھانے کی جدوجہد شروع نہ کر دیں ان کو بڑے عہدوں سے الگ رکھا تھا۔ عمر فاروق کا دوسرا نظریہ تھا کہ خلافت کو خاندان نبوت سے بھی الگ رہنا چاہیئے[۱]۔ انھوں نے دیکھا کہ ہاشمی گھر بیٹھے خوب مالدار ہو گئے ہیں، دولت، رسول اللہ کے خونی رشتہ اور ان کے التفات خاص سے ہاشمیوں میں تمکنت بڑھ گئی ہے اور وہ دوسرے قریشی خاندانوں کو فروتر سمجھنے لگے ہیں۔ ان کو اندیشہ تھا کہ مسند خلافت پر متمکن ہو کر ہاشمیوں کی تمکنت اور زیادہ بڑھ جائے گی اور وہ غیر ہاشمیوں کو نظر انداز کر دیں گے اور خلافت کی مادی برکتوں سے

---

[۱] ابن ابی الحدید ۳/۱۰۷

انھیں محروم کر دیں گے۔ ہاشمی رعونت کو نیچا دکھانے، ہاشمی دولت مندی کو اعتدال میں رکھنے اور ہاشمیوں کو خلافت کی مہم بازی سے روکنے کے لئے عمر فاروق ان کو سپہ سالاری اور گورنری جیسے اعلیٰ عہدے دینے کے خلاف تھے، رہے چھوٹے عہدے تو اُن کو قبول کرنا خود ہاشمی اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔ خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی عمر فاروق کو بڑی تعداد میں سپاہیوں کی ضرورت پڑی؛ سپاہی ان کو عرب قبیلوں سے مل گئے۔ قبائلی امیروں سے انھوں نے دوسرے اور تیسرے درجہ کے سالار چن لئے لیکن پہلے درجہ کے کمانڈروں کے لئے انھیں غیر ہاشمی قریش کا سہارا لینا پڑا۔ یہ وہ طبقہ تھا جو نہ ہاشمیوں اور انصار کی طرح خلافت کا طلبگار تھا، نہ اُس میں ہاشمیوں کی سی تعلی اور انصار کی طرح اسلامی خدمات کا پندار تھا۔ یہ طبقہ خلافت کی خدمت کر کے دولت، جاہ اور عزت حاصل کرنا چاہتا تھا، عمر فاروق کا ادب کرتا تھا اور اُن کے دُرّے سے ڈرتا تھا۔ دورِ فاروقی میں خلافت کے وسیع اسٹیج پر یہی طبقہ سرگرم عمل نظر آتا ہے۔ فوجوں کی کمان اسی کے ہاتھ میں رہتی ہے، یہی پڑوسی اقوام کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے، اسی کے دستخط صلحناموں پر ہوتے ہیں اور صوبوں، چھاؤنیوں اور سرحدوں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ خلافت کے زیر سایہ آ کر یہ طبقہ فاروقی دور میں خوب پھلتا پھولتا ہے اور امارت و اقتصاد کے میدان میں برابر ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا ایک مستعد اور بلند حوصلہ خاندان عمر فاروق کی وفات کے سولہ سترہ سال بعد امیر معاویہ کی قیادت میں سُفیانی خلافت قائم کر لیتا ہے اور ایک دوسرا خاندان مروان بن حکمؔ کی سرکردگی میں سُفیانی خلافت کی بساط الٹ کر مروانی حکومت کی بنیاد رکھتا ہے؛ یہ وہی دو خاندان ہیں جو تاریخ میں بنو اُمیہؔ کے نام سے مشہور ہیں اور خلافت راشدہ کے بعد تقریباً سو سال تک اسلامی حکومت کی قیادت کرتے ہیں اور اسلام کے اقتصادی سوتوں پر قابض رہتے ہیں۔

--ooooo--

مثنوی میر عبد الجلیل بلگرامی
مغل بادشاہ فرخ سیر کا جشن عروسی

جناب شریف حسین صاحب قاسمی ۔ دہلی یونیورسٹی

میر عبد الجلیل بلگرامی (۱۰۷۰ ـــ ۱۱۳۸ ہجری/ ۱۶۶۱ ـ ۱۷۲۶ عیسوی) بارہویں صدی کے بہت مشہور عالم و فاضل گذرے ہیں ۔ یہ صاحب سرو آزاد کے نانا ہوتے ہیں ۔ فارسی، عربی، ترکی زبانوں کے شاعر اور نثر نگار بھی تھے، لیکن اصلاً یہ فارسی کے شاعر ہیں ۔ سب سے پہلے طرازی پھر واسطی اس کے بعد عبد الجلیل اور میر جلیل تخلص کیا۔ سید علی معصوم مدنی نے ان کے علم سے متاثر ہو کر کہا تھا:

"من در تمام عمر خود جامع غرائب علوم مثل سید عبد الجلیل ندیدم[1]"

شیخ غلام نقشبندی نے بھی میر عبد الجلیل کے علم و دانش کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

"پروالا مدارج انسانی، مجمع فیوضات ربانی، سلامت ......رسالہ اعجاز طراز دائرہ رسید، زبان اندحت آں تامراست، حقا کہ ذات سامی آیات دریں زمانہ بی عدیل است[2]۔"

۱۔ سرو آزاد ص ۲۵۴ ۲۔ مآثر الکرام ص ۲۵۸

میر بلگرامی نے مشرق یو، پی کے بہت سے ضلعوں کا سفر مختلف علوم حاصل کرنے کی غرض سے کیا۔[1] یہ آگرہ بھی گئے اور یہاں سے لکھنؤ پہنچے جہاں شیخ نقشبندی سے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔[2] اس طرح مختلف جگہ آنے جانے کے بعد ۱۱۱۱ ہجری میں وہ جنوب ہند میں اسلامپوری گئے جہاں ان دنوں اورنگ زیب قلعہ ستارہ کے محاصرہ میں مصروف تھا۔ اسلامپوری میں ان کی ملاقات مرزا یار علی بیگ سے ہوئی جس کے توسط سے میر عبدالجلیل نے اس قلعہ کے فتح ہونے کی تاریخ پادشاہ کی خدمت میں پیش کی اور صلہ پایا۔[3]

مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے بعد ۱۱۲۰ ہجری میں انھوں نے اپنی سرکاری خدمات سے استعفیٰ دیدیا اور زندگی کے باقی دن دہلی میں گذار دئے، مگر انتقال کے بعد انھیں ان کی وصیت کے مطابق ان کے والد کی قبر کے پہلو میں بلگرام ہی میں دفن کیا گیا۔

میر عبدالجلیل اپنے زمانہ کے صرف دانشوروں ہی میں مقبول اور محترم نہ تھے بلکہ ان کے ہم عصر امرا، اور رؤسا بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

میر عبدالجلیل حقیقت میں علم وفضل کی طرف مائل تھے، درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے، ان کی اپنی ایک لائبریری تھی اور انھیں خطاطی کا بھی بہت شوق تھا۔ یہ فن شاعری کے ایک مانے ہوئے نقاد سمجھے جاتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کی رائے خوشی سے قبول کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ان کے ہم عہد شعرا نے ان کی تعریف ہی نہیں بلکہ ان کے مشورہ پر اپنے اشعار میں ردوبدل بھی کی ہے۔[4]

میر بلگرامی نے نظم میں

مثنوی امواج خیال ، بلگرام کی تعریف میں

۱۔ مآثر الکرام ص ۲۵۸

۲۔ مآثر الکرام ص ۲۶۰

۳۔ خزانۂ عامرہ ص ۳۵۳

۴۔ ناصر علی نے اپنی مثنوی میں میر بلگرامی کے مشورہ سے ترمیم کی۔ سرو آزاد ص ۲۶۰

ایک مثنوی اپنے نوکر کی وفات پر جو دکن کے سفر پر ان کے ساتھ تھا۔
ایک مثنوی فرخ سیر کی شادی سے متعلق (زیر بحث مثنوی)
ایک مثنوی ارشاد خاں کی شادی سے متعلق (یہ میر کی آخری مثنوی ہے)
پدماوت اور ایک عربی، فارسی، ترکی اور ہندی کی منظوم ڈکشنری ترتیب دی۔

فارسی نثر میں

انشای جلیل کے نام سے ایک کتاب میں اپنے دکن کے سفر کا حال بیان کیا اور کچھ مختلف مضامین لکھے جوان کے لڑکے میر محمد نے ترتیب دیے ہیں[1]۔

اس کے علاوہ جلیل بلگرامی نے میر ضیاء اللہ بلگرامی کے کچھ خطوط ترتیب دیئے اور مختلف رسائل بھی لکھے جن کا تذکرہ سید علی اصغر بلگرامی نے فارسی بلگرام میں کیا ہے[2]۔

یہاں میر عبدالجلیل کی مثنوی سے جو فرخ سیر کی شادی سے متعلق (جو ۱۱۲۷ ہجری میں منعقد ہوئی تھی) لکھی گئی تھی بحث کریں گے، سید اصغر علی بلگرامی نے اس مثنوی کا عنوان جواہر الفردوس[3] لکھا ہے لیکن منشی نول کشور کی چھپی ہوئی مثنوی پر کوئی عنوان نہیں ہے صرف مثنوی میر عبدالجلیل بلگرامی لکھا ہے۔

اس مثنوی کی تاریخی اور سماجی حیثیت اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ مصنف نے اس میں نہ صرف ایک تاریخی واقعہ کو نظم کیا ہے بلکہ اس زمانہ کے عروس سے متعلق سارے ہی رسم ورواج اور طور طریقوں کا بھی تفصیل سے بہت سادہ انداز اور آسان زبان میں ذکر کیا ہے۔ شاہی افواج کا مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے اور جنگ میں استعمال ہونے والے اسلحہ کا بیان بھی تاریخی اعتبار سے اہم ہے،

مثنوی کی تکمیل کی صحیح تاریخ تو معلوم نہ ہو سکی مگر یہ فرخ سیر بادشاہ کی حیات میں مکمل کی جا چکی تھی لیکن

۱۔ مآثر الکرام میں میر کے خطوط کا نمونہ موجود ہے ص ۲۶۷

۲۔ فارسی بلگرام ۔ حیدر آباد ۱۳۴۷ھ ص ۱۱

۳۔ فارسی بلگرام ۔ حیدر آباد ۱۳۴۷ھ ۔

کسی وجہ سے مصنف پادشاہ کی خدمت میں پیش نہ کرسکا جس کا اسے بہت قلق ہے:

به جلد وے چنیں اشعار فاخر　　بسنجد شاہ مارا با جواہر
ولی برعکس اخلاق جمیلہ　　نشد از باریابان بس وسیلہ
دریں امر آنقدر تاخیر گردید　　کہ شاہنشہ سوی جنت خرامید[1]

یہ مثنوی فرخ سیر کی تعریف سے شروع ہوتی ہے، قصیدہ نگاروں والے روایتی انداز سے ممدوح کی تعریف و توصیف کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ بادشاہ کا اجیت سنگھ راٹھور کے خلاف فوج روانہ کرنے کی وجہ بتائی ہے اجیت سنگھ راٹھور جسونت سنگھ کا لڑکا راجپوت خاندان کا ایک موروثی زمیندار تھا جو ۱۱۱۳ھ / ۱۷۰۱ء میں اپنی آبائی مسند پر بیٹھا۔ اور محمد شاہ کے زمانہ کے شروع ہی میں اپنے لڑکے کے اشارہ پر قتل کردیا گیا۔

راجہ اجیت سنگھ نے فرخ سیر کے عہد کے شروع میں علم بغاوت بلند کیا:

در آغازِ جلوسِ شاہ والا　　تمرد گونہ سر زد ز راجا[2]

بادشاہ نے ایک بڑی فوج اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کی۔ شاعر نے فوج کی بہادری، قوت اور فتحمندانہ شان و شوکت کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

پی تادیب او فوجی رواں شد　　سم اسپاں زمیں انجم نشاں شد[3]
چہ فوجی بحر زخار ظفر میغ　　حباب اوست خود و مواج او تیغ[4]

دو شعر اردو اور بھاکا کی درمیانی زبان میں بھی فوج کی تعریف میں ملتے ہیں:

گنگ سنگرام کو امڈا گھٹا ٹوپ　　کھرک بجلی تہاں چمکے کڑک توپ[5]

۱۔ مثنوی میر عبدالجلیل بلگرامی ۔ نول کشور ۱۸۸۲ء ص ۶۸
۲۔ مثنوی ص ۱۰　　۳۔ مثنوی میر عبدالجلیل ص ۱۰
۴۔ مثنوی میر عبدالجلیل ص ۱۱　　۵۔ مثنوی میر عبدالجلیل ص ۱۱

پڑا ہل کنپ دھرتی میں چھون اور گنگن بود ند تھے گھن کی اوٹھی گھور[1]

یہاں یہ بتا دینا بے جا نہ ہوگا کہ یہ شعر تقریباً اسی زبان میں ہیں جس زبان میں میر عبدالجلیل نے مثنوی پدماوت لکھی۔

راجہ اجیت سنگھ کے خلاف یہ فوج سپہ سالار فیروز جنگ کے ماتحت روانہ کی گئی:

مظفر چوں بروز نام و ننگ است خطاب او ازاں فیروز جنگ است
سپہ سالار با لشکر رواں شد ظفر با فوج شاہی ہمعناں شد[2]

راجہ اجیت سنگھ نے شاہی فوج کا طمطراق اور جوش و خروش دیکھا تو اس کا سارا غرور اور بغاوت کا ارادہ خاک میں مل گیا۔ اس کو اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا اور اس نے جنگ نہ کرنے کا اعلان کر دیا:

چو راجا لشکر نصرت اثر دید بساط ملک خود را بی سپر دید
ز شمشیر سپہ سالار ترسید ز موج آب آتش بار ترسید
تذرو نخوتش را بال و پر ریخت نہال طاقتش را برگ بر ریخت[3]

جب راجہ کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا اور اپنے ملک کو بادشاہ کے قبضہ میں جاتے دیکھا تو اپنی شہرت، اپنا وقار اور اپنی خاندانی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے سپہ سالار کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا جس میں اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اس کے لئے معافی مانگی اور سپہ سالار سے اس سلسلے میں تعاون کی اپیل کی:

چو راجہ انتزاع ملک خود دید ز تالیف سپہ سالار بشنید
بنا چار از برای حفظ مانوس کہ تا برہم نمالد دست افسوس
زدن نقش تمرد پاک شستہ شفاعت از سپہ سالار جستہ[4]

ناموس
دل

۱۔ مثنوی ص ۱۲ ۲۔ مثنوی ص ۱۲
۳۔ مثنوی ص ۱۲ ۴۔ مثنوی ص ۱۳

مزید برآں راجہ نے بادشاہ کو اپنی لڑکی، کچھ ہاتھی، گھوڑے اور بادشاہ کے شایان شان دیگر نوادرات کی نذر پیش کرتے ہوئے ادب اور احترام سے معافی اور مدد کی درخواست کی:

بارسال جگر پر کالہ خویش　　توسل جست با شاہ ظفر کیش
زفیلان مست منگوسی　　قوی ہیکل چو چرخ آبنوسی
گزیں کرد از برای نذر والا　　فزوں از وسعت دامان صحرا
زاسپان گلہ رنگیں گزیں کرد　　کہ ہامون را پراز آہوی چیں کرد
دگر انواع منسوقات رنگیں　　کہ باشد باب درگاہ سلاطیں
بدرگاہ جہاں بانی رواں کرد　　بصد عجز و ادب عرض اماں کرد[1]

بادشاہ نے راجہ کی درخواست منظور کرلی اور اسے معاف کردیا۔ راجہ کی طرف سے بھیجی گئی نذر و تحائف کے بدلے میں بادشاہ نے اس کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لینے کا ارادہ کرلیا:

تقبل کرد وراجہ را اماں داد　　تو گوئی مردہ را باز جاں داد
ازاں پس از پی تشریف راجا　　بہ مہماں خانہ داد آں شمع راجا[2]

راجہ کی لڑکی سے شادی کا پروگرام مرتب کیا، ضروری انتظامات مکمل کرنے کا حکم دیا اور شادی کے انتظامات میں بیدریغ دولت صرف کی جانے لگی، قیمتی ریشمی کپڑے تیار کرائے گئے، بہترین اور لطیف خوشبوؤں کا بندوبست کیا گیا۔ مختصر یہ کہ شادی کے سلسلے میں درکار سارا ساز و سامان بادشاہ کے حکم سے مہیا کیا گیا:

قماش نقرہ و زرباف بومی　　حریر چینی و دیبای رومی
زہر جنسی کہ آں باب عروسی ست　　بزیر سقف چرخ آبنوسی ست
بہ حکم شاہ در سرکار والا　　مہیا شد مہیا شد مہیا[3]

۱۔ مثنوی ص ۱۳　　۲۔ مثنوی ص ۱۴　　۳۔ مثنوی ص ۱۴

جب سارے انتظامات مکمل ہو گئے تو باقاعدہ عروسی کی تقریبات کا آغاز ہوا۔ ساچق کا انتظام کیا گیا۔ دیگر چیزوں کے ساتھ بہت سی مٹھائی تیار کی گئی اور میوے وغیرہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔

زنقل ولوز و اقسام فواکہ که ناید در حساب کس ازاں بہ
باندک فرصتی ساماں نمودند نشاط وعیش را مہماں نمودند[1]

دلہن اور دولہا کے مہندی لگائی گئی اور انہیں انگوٹھیاں پہنائی گئیں:

بزیبائی عروس وشاہ گشتند بنوبت ہمچو شاخ گل حنا بند
چو حاصل گرد انگشت از حنا قوت مرصع گشت شاخ زر بیاقوت[2]

ان رسموں سے فارغ ہونے کے بعد منجم سے کسی مبارک اور سعید گھڑی کے تعین کے لئے کہا گیا تاکہ اس روز نکاح کی رسم ادا کی جائے:

بہین اختر شناسان رصد بیں مبارک ساعتی کردند تعیین[3]

شادی سے ایک روز قبل رات کو گلی کوچوں میں چراغاں کیا گیا جس کا بیان شاعر نے بہت ہی دلکش انداز میں اس طرح کیا ہے:

طرب کرد از چراغاں شانۂ زر کہ درہم داشت شب زلف معنبر
چراغانِ کنول مشرب شگفتہ تعجب بیں کنول در شب شگفتہ
ہزاراں مشعل تابندہ چوں ماہ شعاع آمود کردہ کوچہ وراہ[4]

صبح ہی سے بارات کے جانے کا انتظام شروع ہو گیا، رات ہوتے تک جب بادشاہ کی سواری کا بندوبست ہو چکا تو بادشاہ نے دلکش لباس زیب تن کیا:

چو آئینِ سواری شد مرتب کشود از کاکل خودیک گرہ شب

۱۔ مثنوی، ص ۱۴ ۲۔ مثنوی، ص ۱۵
۳۔ مثنوی، ص ۱۵ ۴۔ مثنوی، ص ۱۶

طلب فرمود پوشاک دلاویز — کہ گلشن از بہارش گشت گلریز[1]

میر عبدالجلیل نے بادشاہ کے لباس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ تاریخی اور سماجی اعتبار سے نہ صرف اہم ہے بلکہ چشم دید ہونے کی وجہ سے قابل بھروسہ بھی۔

بادشاہ کا لباس کئی رنگوں کے کپڑے سے تیار کیا گیا تھا جس پر نقش و نگار تھے۔ یہ نازک و لطیف لباس مختلف خوشبوؤں میں بسایا گیا تھا:

برنگ آمیزی پوشاک والا — قلم طاؤس رنگیں شد در املا
منقش ہمچو دیبای چمن بود — معطر چوں نسیم پیرہن بود[2]

بادشاہ کے لباس کا گریباں بیل بوٹوں سے مرصع تھا، آستینوں پر زری کا کام تھا، دامن بھی منقش تھا، لباس کا ریشمی ملائم استر شبنم کی طرح لطیف تھا، اور بادشاہ نے مرصع میان بند (پیٹی کی قسم کی چیز) بھی باندھ لیا تھا:

گریباں از شکوہِ شانِ شاہی — تجلی مطلعِ نورِ الٰہی
مرصع آستین فیض آثار — ز دریائے کرم نہر گہربار
قماش استرش از بس تنک بود — بہ پیش لطف او شبنم خنک بود
بہ بالا بست شاہنشاہ والا — کمربند مرصع ہمچو جوزا[3]

بادشاہ نے ایک طرف تلوار باندھی تھی جو ریشمی میان میں بند تھی:

بہ خنجر داد زینت شان شاہی — بدریا شد الحق جان ماہی[4]

لباس کچھ قیمتی پتھروں سے مرصع تھا جیسے زمرد، لعل، الماس، پکھراج زرد، یاقوت، نورنگ کے نیلم وغیرہ۔ ہاتھ پر ایک مرصع بازوبند تھا، گلے میں زیور آویزاں تھا، کندھوں پر جواہرات سے جڑی

۱۔ مثنوی ص ۱۷ — ۲۔ مثنوی ص ۱۷
۳۔ مثنوی ص ۱۸ — ۴۔ مثنوی ص ۱۹

کوئی چیز لٹک رہی تھی :

زمرد درمیان رخت سر سبز — تو گوئی جلوہ گر شد بخت سر سبز
زلعل از رخت شاہی زیب اندوخت — کہ رنگِ سلطنت از شہ برافروخت
نہ الماس ست در پوشاک تاباں — کہ گردید اخترِ دولت درخشاں
بود پکھراج زرد میمنت فال — شعاعِ آفتاب اوجِ اقبال
نہ یاقوت ست در پیرایہ منضم — کہ شد رنگ جلال شہ مجسم
نہ رنگ نیلم از پیرایہ تابید — طرب بروی سوادِ دیدہ مالید[1]

انگلی میں فیروزہ کی انگوٹھی تھی، سر پر دستار تھی اور دستار پر بندھا ایک زیور تھا، چمکدار سہرہ تھا، کلغی تھی اور سونے کا طرّہ تھا :

بود انگشترِ شاہِ مکرم — بدست او خطِ پرکار عالم
ازاں روزیر حکم او زمین ست — کہ از فیروزۂ چرخش نگین ست
اتاقہ بر سر شاہ طرب فال — ہویدا چوں ہلالِ عیدِ اقبال
درخشاں جیغہ چوں خورشید انور — سعادت می زند بر گرد او سر
طلائی طرہ دروی دل افروز — گل خورشید و فیض صبح نوروز
درخشاں سہرہ بر سر شاہ بستند — کہ حسرت در دل انجم شکستند[2]

بادشاہ نے لباس پہن لیا تو رسم دست بوسی شروع ہوئی، امرا، رؤسا، اور دیگر درباریوں نے دست بوسی کی، بادشاہ دست بوسی کے وقت چمکدار مرصع تکیئے سے لگا بیٹھا تھا :

جہانگیری دریں جشن عروسی — بجا آورد رسم دست بوسی
زمرد متکای درمیاں بود — کہ سر سبزی دولت زو عیاں بود[3]

۱۔ مثنوی ص ۱۹ ۔ ۲۰   ۲۔ مثنوی ص ۲۱   ۳۔ مثنوی ص ۲۰ ۔ ۲۱

اس کے بعد محفل جشن عروسی میں زر و جواہر لٹایا گیا:

نثار از بس گہر کردند مردم ۔۔۔ زمیں شد آسمانی پر ز انجم[1]

بادشاہ بہت ہی سجے سجائے تخت پر سوار ہو کر خانۂ عروس کی جانب روانہ ہوا:

پس آنگہ پیش آوردند تختی ۔۔۔ بہ پہلو چیز چوں زریں درختی
رواں شد شاہ باشان و تجمل ۔۔۔ گل افشاں شد گلستانِ تفصل[2]

بادشاہ کا یہ جشن عروسی اور جلوس دیکھنے سارا شہر امڈ آیا تھا:

ز فرط شوق شہر مدہوش گشتہ ۔۔۔ ہمہ تن صورتِ آغوش گشتہ[3]

تخت کے ہمراہ ایک بڑی سی مرصع اور چمکدار چھتری سایہ کے لیے لے جائی جا رہی تھی:

بفرقش جلوہ گر چتر فلک سا ۔۔۔ ہما کردہ ببالا بال و پر وا[4]

جلوس کی روانگی کے وقت نوبت و نقارہ بجایا گیا۔ سارے امرا، درباری اور شہر کے رؤسا جلوس میں شریک تھے۔ لیکن نواب قطب الملک بہادر جنگ ان باراتیوں میں موجود نہ تھے چونکہ وہ بادشاہ کے حکم سے دلہن کے گھر میزبان کی حیثیت سے پہلے ہی جا چکے تھے:

خواصاں گرد شاہِ فیض آثار ۔۔۔ چو دور خط بگردِ چہرۂ یار
امیراں در رکاب شہ پیادہ ۔۔۔ بخدمت نقد جاں برکف نہادہ
مگر نواب قطب الملک یکرنگ ۔۔۔ وزیر صاحب شمشیر و فرہنگ
ازاں رو در رکاب شاہ والا ۔۔۔ نبود آں عمدۂ درگاہِ اعلیٰ
کہ حسب الحکم شہ از سوی رانی ۔۔۔ بجا آرد رسوم میزبانی[5]

جب یہ جلوس چلا تو آگے آگے چوبدار تھے، جن کے ہاتھوں میں چاندی اور سونے کے گرز اور

۱۔ مثنوی ص ۲۳ ۔۔۔ ۲۔ مثنوی ص ۲۴ ۔۔۔ ۳۔ مثنوی ص ۲۴
۴۔ مثنوی ص ۲۵ ۔۔۔ ۵۔ مثنوی ص ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷

عصا تھے۔ یہ راستہ میں تماش بینوں کی بھیڑ کو راستہ بنانے کے لئے ایک طرف کرتے جاتے تھے۔ بھیڑ کی زیادتی کی وجہ سے ان لوگوں کو اپنے کام میں کافی محنت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا:

ہجوم خلق از انجم زیادہ — بباغ بندگی چوں گل پیادہ
تصادم آنچناں شد از حد افزوں — کہ رہ در کوچۂ رگ بست پُر خوں
صدای دور باش و پیش شو پیش — ہراس انداخت در دلہا ز حد بیش
نمودہ چوبہای چوبداراں — بگلزار توزک سرو خراماں
برنگ صبح در زینت فزائی — بود بر دوش شان گرز طلائی
ز گرز نقرہ بر دوش بہین برز — نمایاں گشت ماہ از کوہ البرز[1]

جلوس کی گذرگاہ پر سقے اپنے گلوں میں بڑی بڑی مشکیں لٹکائے آب پاشی کرتے جا رہے تھے تاکہ راستہ کی خاک بادشاہ اور باراتیوں کے لئے ناگوار خاطر نہ ہو:

ز سقایان گوہر پاش درگاہ — گروہی پیش پیش موکب شاہ
چو گرد از آبپاشی شست و شو یافت — زمیں ہم زیں عروسی آبرو یافت[2]

جس راستہ سے یہ جلوس گزرتا تھا وہ بہت اہتمام اور سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ دو رویہ پودے لگائے گئے تھے جن پر کھلے ہوئے مہکتے پھول لہلہا رہے تھے اور جگہ جگہ دروازے، بنائے گئے تھے۔ ان دروازوں کو مختلف قسم کے رنگا رنگ کپڑوں سے سجایا گیا تھا۔ الغرض یہ راستہ اتنا زیادہ سجایا گیا تھا کہ دیکھنے والا اسے ایک ایسا باغ اور چمن سمجھ رہا تھا جو بہار میں اپنی تمام تر خوبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ حسن قدرت کے مشاہدہ کی دعوت دے رہا ہو:

ہنرمندان چابکدست عالم — دو رویہ چوبہا بستند باہم
قماش نازک از بازار چیدند — بروی چوبہا در ہم کشیدند

۱۔ مثنوی ص ۲۷ ۲۔ مثنوی ص ۲۷۔ ۲۸

دمیدہ ہر طرف گلہای تازہ زرنگینی برو مالیدہ غازہ[1]

جلوس میں ہاتھی اور گھوڑے بھی تھے۔ ان سجے ہوئے ہاتھی اور گھوڑوں نے جلوس کی شان وشوکت اور وقار بڑھادیا تھا۔ شاعر نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کو کس طرح سجایا گیا تھا۔ ان کی سونڈ پر رنگ برنگے نقش ونگار کھینچے گئے تھے، ماتھے اور سر پر چمکدار زیورات تھے، دُموں پر بھی آرائش کے لئے زیور تھا، کان زیوروں سے سجادئے گئے تھے۔ ہاتھیوں پر تخت اور کجاوے تھے جو رنگین ریشمی کپڑوں سے ڈھانک دئے گئے تھے۔ کجاوے پر پڑا ہوا کپڑا بھی لعل وجواہر اور موتیوں سے مرصع تھا اتنے زرق برق ہاتھیوں پر سوار فیلبان بھی بڑے اہتمام سے زریں کپڑے پہنے ان پر بیٹھے ہوئے تھے:

به بیں خرطوم ایں فیلان انبوہ نہنگے گرندیدی بر سرِ کوہ
بود در جبہ شان نقش انبوہ بزیبائی برنگ کبک درکوہ
قطاس شاں بغایت دلپذیر ست چو کوہ بے ستون وجوی شیر ست
بود ہر گوشِ شاں چوں دست ازن دروسوراخہا چوں چاہ بیزن
بہ پشت ہر یکے جلہای گلکار شگفتہ نو بہاری درخشن زار
مرصع از لالی تخت فیلان جو گنبد بر سرِ کوہ نمایاں
نشانہا راست بر فیلاں نمایاں چو بر بالائے کوہستان درختاں
نماید فیلباں بالای پیلاں چو بر ہفتم فلک جا کردہ کیواں[2]

جلوس میں کچھ گھوڑے کوتل تھے، نیلہ، ابلق، سمند اور کچھ کمیت تھے۔ ان پر پڑی ہوئی زین بھی چاندی اور سونے کے کام سے لسی ہوئی تھی۔ گھوڑوں کے چلنے کی وجہ سے جب اس زین میں جنبش پیدا ہوتی تھی تو اس پر ٹنکے ہوئے موتیوں اور دیگر ساز وسامان کے آپس میں ٹکرانے کی وجہ سے ایسا شور بپا تھا جیسے خسرو کا "گنج بادآورد" لایا جارہا ہو۔ یہ تیز رفتار گھوڑے جلوس میں پنے تلے قدم

۱- مثنوی ص ۲۸-۲۹ ۲- مثنوی ص ۲۹-۳۰-۳۱

اٹھاتے بڑی تنظیم سے چل رہے تھے :

کوتلہا در رکاب خاص بودند		کہ چوں خیل پری رقاص بودند
یکے چوں نیلۂ گردوں مہر و مال		یکے چوں نقرہ خنگ صبح اقبال
چو چشم مار ابلق شوخ جولان		بود ابرش چو گلزار خرامان
سمند و شرغہ در رفتار دردو		گرو بردہ زخورشید سبک رو
کمیت خوش لقا چوں قلۂ کوہ		ز پالیش سنبل تر رستہ انبوہ
مرصع زین بہ پشت وساز برفرق		نمایاں در حنا چوں در شفق برق
طلائی ساز آنہا در تگ و دو		بود چوں گنج باد آورد خسرو[1]

گھوڑوں اور ہاتھیوں کے ہمراہ چلنے والے سائیس بھی رنگیں، قیمتی اور دلکش لباس پہنے، سروں پر صافے میں کلغی لگائے خراماں خراماں منزل مقصود کی طرف روانہ تھے :

جلو داران آہو تگ صبا پے		بہ تندی زود رس چوں نشۂ مے
زدہ یکدستہ پر بر نارک سر		چو ہدہد در ہوا گردی سبک پر[2]

راستہ میں آتش بازی چھوڑی گئی جس سے سارا ماحول چمک اور گونج اٹھا جیسے ہاتھی لڑ رہے ہوں یا جیسے جنگلی جانور گتھم گتھا ہوں۔ شاعر نے آتشبازی کے سامان کا نام بھی لیا ہے جو تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے، آتشبازی کے سامان کے نام ذیل میں دیے جا رہے ہیں جو اس زمانہ میں مستعمل تھے :

ہوائی، چرخی، ہنتال، فوارۂ بھوتاس، موشک، گلریز (پھلجھڑی)،
مہتاب وستارہ، انار پھولجھڑی وغیرہ۔

ان ساری چیزوں کے استعمال نے ماحول کو گلستاں بنا دیا ہے :

بہر جانب دریں زریں گلستاں		بود طاؤس مستی بال افشاں[3]

۱۔ مثنوی ص ۳۱، ۳۲، ۳۳ ۔ ۲۔ مثنوی ص ۳۳ ۔ ۳۔ مثنوی ص ۳۶

بارات کے ہمراہ گانے بجانے کا انتظام بھی تھا۔ مطرب اپنے کام میں دادِ عیش و طرب دے رہے تھے، قوال مختلف سازوں پر گوناگوں قسم کے راگ، راگنیاں اور نغمے گا رہے تھے جس سے گلی کوچے گونج اٹھے تھے۔ اسی ضمن میں مصنف نے بہت سے ہندی اور فارسی نغموں کا فارسی نام لکھا ہے۔ سازوں، نغموں وغیرہ کے بارہ میں شاعر کی فراہم کردہ اطلاعات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ خود شاعر اس فن سے بخوبی واقف تھا۔

میر عبدالجلیل بلگرامی کو خسرو کی مثنوی دول رانی خضر خاں کا ظاہر ہے علم تھا۔ شاعر نے خسرو کی مثنوی کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ خسرو نے بھی اپنی مثنوی میں موسیقی اور سازوں وغیرہ کے متعلق ذکر کیا ہے خسرو چونکہ فن موسیقی، فن شاعری اور ہندوستانی اور ایرانی موسیقی کے ماہر فن تھے اس لئے ان کی مثنوی میں اس فن سے متعلق شعر بہت اہم ہیں۔ خسرو کے لئے میر عبدالجلیل نے مزید لکھا ہے کہ وہ حالانکہ نبی نہ تھے لیکن نبیوں کا سا اعجاز انھیں عطا کیا گیا تھا:

به نظم آورد شعر سحر پرداز　　بیائے کرد از موسیقی و ساز
اگرچه میر خسرو بود استاد　　ندارد چرخ چوں او دیگری یاد
بفکر دور دو پرواز دارد　　نبی نبود ولی اعجاز دارد[1]

خسرو کی تعریف کے بعد شاعر نے خود اپنی اور اپنی مثنوی کی تعریف نظم کی ہے، خود کو اپنے عہد کا خسرو کہا ہے اور اپنی مثنوی کو اس ثبوت میں پیش کیا ہے:

ولی من ہم ازیں گلدستہ نو　　دریں عصرم بجای میر خسرو[2]

شاعر نے مندرجہ بالا دعوے کی پھر تکرار کی ہے اور کہتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا میری طرح ایسی مثنوی نظم کر سکے تو میں اس کو اپنا استاد مان سکتا ہوں اور اگر کوئی دوسرا ایسی مثنوی نظم نہ کر پائے تو میری مثنوی کی خاطر خواہ تعریف کی جانی چاہیئے:

۱۔ مثنوی ص ۴۸، ۴۹، ۵۰　　۲۔ مثنوی ص ۴۹

اگر گو بر دبر دی آفریں باد　　من اوراہمچو شاگرد او چو استاد
وگر نیامد ازو ایں کار دشوار　　بریں صنعت کند تحسین بسیار[۱]

مثنوی کے اس حصہ کو سمجھنے اور اس سے بہرہ اندوز ہونے کے لئے فن موسیقی اور موسیقی کے آلات کا جاننا ضروری ہے ورنہ یہ حصہ پڑھنے والے کے لئے ایک معمہ بن جاتا ہے۔ خود شاعر نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے:

کہ تا ہر سامعی کز نارسائی　　بہ موسیقی ندارد آشنائی
نگردد گر ز حسنِ صنعت آگاہ　　بہ حسنِ نظم گیرد حظِ دلخواہ[۲]

مثنوی میں میر بلگرامی نے بے شمار راگوں، سازوں اور سُروں کے نام گنائے ہیں جنھیں یہاں مزید طوالت کے خوف سے درج نہیں کیا جا رہا۔ بہر حال شاعر نے لکھا ہے کہ سرود و نغمہ کی آواز سے دہلی کی فضا اتنی پر کیف تھی کہ دوسری جگہوں کو اس پر رشک آرہا تھا:

بدہلی گفت مازاد شانک　　کہ از وی اصفہاں شد اصفہانک[۳]

فارسی میں گانے والے بھی موجود تھے جو اپنا ایرانی ساز و سامان لئے محفلِ رقص و سرود کو مزید دلکش بنا رہے تھے:

صف رامشگرانِ فارسی خوان　　کنند اندازہ دل از موج الحان[۴]

رقص کرنے والوں کا لباس ریشمی تھا جس پر گوٹہ کناری اور کارچوبی کا کام نہایت کاریگری سے کیا گیا تھا:

طوائف گرم رقص و پای کوبی　　ببر کردہ لباسِ کارچوبی
دو دامی جامہ از گلبرگ گلشن　　کناری جھلمل افزا دور دامن[۵]

۱۔ مثنوی ص ۵۰　　۲۔ مثنوی ص ۴۷، ۴۸　　۳۔ مثنوی ص ۴۴
۴۔ مثنوی ص ۴۵　　۵۔ مثنوی ص ۵۰

رقاصاؤں کے ہونٹوں پر مسّی، منہ میں پان، گلے میں قیمتی چمکدار گلوبند، کانوں میں دیدہ زیب گوشوارے، ہاتھوں میں چوڑیاں اور بازوؤں پر بازوبند تھے۔ ہاتھوں پر مہندی لگی تھی، انگلیوں میں انگوٹھیاں اور پیروں میں پازیب اور گھنگرو تھے۔ اس ضمن میں جو شعر مثنوی میں پائے جاتے ہیں وہ شاعر کے استادِ فن ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ پان کھائے اور مسی لگے ہونٹوں کو دیکھکر شاعر کا تاثر اس کے شاعرانہ تخیل اور اپج کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس حصہ سے چند شعر یہاں درج کیے جارہے ہیں:

تبسم از مسّی و پان نمایاں   چو در شام از شفق برق درخشاں
گلوبند زری چوں بر نظر زد   خطوط آفتاب از صبح سر زد
بہ بازوبند و ساعد دل خورد تاب   چساں آید بروں از موج و گرداب
برنگارنگ چوری پارہ یارست   کہ آں چوں گلشن و ایں چوں بہارست
سیہ چوری بود چوں تار سنبل   کہ پیچیدند بر گلدستۂ گل
بود آواز گھنگرو زیر خلخال   صدای شیشۂ دلہای پامال[1]

یہ رقاص فن موسیقی سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ رقص میں ان کی ہر حرکت ساز و نغمہ سے مطابقت رکھتی تھی اور سہ آہنگ (تین تال) پر یہ گایا جارہا تھا:

چنیں گل میکند از ہر سہ آہنگ   ز تنگا روز ساز تال و مردنگ
نتت تا تھیئی تت تا تھیئی تھیئی   دھنک دھینک کدھک ھک دھیئی دھیئی
جگت کے چھترپت فرخ سیر پیو   سدا جیو و سدا جیو و سدا جیو[2]

اس جشن میں مسخروں کی ایک پارٹی بھی حصہ لے رہی ہے، یہ لوگ سر پر آنکھوں تک صافہ باندھے ہیں، کبھی کبھی صافہ ٹانگوں میں اور شلوار سر پر آجاتی ہے اور اس طرح ہنسنے ہنسانے میں مشغول ہیں:

۱۔ مثنوی ص ۵۳   ۲۔ مثنوی ص ۵۸

زہزالان گروہی گرم بازی   برقص طرفہ دردستان طرازی
عمامہ کرد کج بر نوک ابرو   زدہ پس خم چو ماہ نو بزانو
عمامہ بر سُرین شلوار برسر   بیا بنگر مقدم شد موخر[1]

کچھ بہروپئے بھی تھے جو مختلف شکلوں میں نمودار ہو کر لوگوں کی تفریح طبع کا سامان بہم پہنچا رہے تھے:

زشب بازان چہ میپرسی کہ چوں اند   بہ نیرنگ آفرینی پر فنون اند
چنان با اصل دارد نقل شان وصل   کہ مالد نقل بر رخ غازۂ اصل[2]

اتنی ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ جلوس عروسی نے گلی کوچے طے کئے اور رات کا چلا ہوا یہ جلوس صبح نمودار ہونے تک حرم سرا پہنچا، بادشاہ تخت سے نیچے اترا اور حرم سرا میں داخل ہو گیا خیر خواہ اردگرد جمع ہو گئے:

چو مشکوی عروسی شد نمودار   صفای صبح پیدا در شب تار
پرستاران بگرد شاہ جمجاہ   زدہ حلقہ چو دور ہالہ بر ماہ[3]

حرم سرا میں بادشاہ کے داخل ہونے کے بعد شاعر حرم سرا میں ہونے والے رسوم کا چشم دید شاہد تو نہیں ہے مگر رسموں سے واقف ضرور ہے۔ اسی وجہ سے حرم سرا میں عدم موجودگی کا اعتراف کرتے ہوئے صرف اندازے سے وہاں کی رسموں کا تذکرہ کرتا ہے:

سخن چوں در گلستانِ حرم شد   ادب اینجا عناں گیرِ قلم شد
رسوم مصحف و آئینہ بینی   بود معمول در حجلہ نشینی[4]

حرم سرا سے واپسی پر درباریوں، امرا اور رؤسا نے مبارکباد پیش کی اور بارات کی واپسی کا انتظام کیا گیا۔ بادشاہ اسی طرح تخت پر بیٹھا دلہن کو ساتھ لیا اور واپس ہو گیا۔ دلہن (ملکہ) کی سواری

۱۔ مثنوی ص ۵۹   ۲۔ مثنوی ص ۶۰
۳۔ مثنوی ص ۶۰   ۴۔ مثنوی ص ۶۱

بادشاہ کے تخت کے پیچھے تھی :

شہنشہ از حرم باصد بشارت   برون آمد چو معنی از عبارت
امیراں پیش شہ گشتند باہم   چو ماہ نو بہ پیش آسماں خم
مبارکباد زد از ہر طرف جوش   مبارکباد شد گوہر صدف گوش
عقیب تخت شہ چنڈول رانی   نگاریں محل بلقیس ثانی[1]

عروسی کے بعد بادشاہ کے حکم سے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا گیا :

چو در زیر سپہر آ بنوسی   ولیمہ سنت آمد در عروسی
بہ حکم شاہ شیلانی کشیدند   چہ شیلانی فراوانی کشیدند[2]

شاعر نے "لذت بخشی ولیمہ" کے عنوان کے تحت اس وقت کے کچھ کھانوں کا ذکر کیا ہے جو سماجیات اور ادب کے لحاظ سے بہت کارآمد ہے۔

دسترخوان بچھا دیا گیا۔ سونے چاندی کی قابیں چن دی گئیں، دسترخوان پر قرینے اور سلیقے سے نمکدان وغیرہ سجا دئے گئے، مربا اور کچھ سبز ترکاری (یعنی صلاد) وغیرہ دسترخوان پر خوبصورتی سے رکھ دی گئیں، مختلف قسم کے پلاؤ، شامی کباب، خشکہ، مزعفر، سنبوسہ (میٹھا اور نمکین کھانا) سفید روٹی، تافتان، تلیے، بورانی، دہی، شولہ، آش، عنبری حلوہ، آچار اور خوش مزہ میٹھے شربت وغیرہ سے دسترخوان کو بھر دیا گیا۔ امرا، رؤسا اور درباریوں نے سیر ہو کر کھایا، بعد میں انھیں پان اور خوشبو پیش کی گئی :

زرزیں قاب افزوں از شماری   سپہر سفرہ شد خورشید زاری
نمکداں چوں دہانِ دلپسنداں   مربا چوں کلام نوشخنداں
بروی سفرہ سبزی زیب خوانست   تو گوئی سبزۂ خطِ بتانست
ز اقسام پلاؤ رنگ در رنگ   بساط سفرہ شد گلزار ارتنگ

۱۔ مثنوی ص ۶۲   ۲۔ مثنوی ص ۶۳